ڈاکٹر میر ولی الدینؒ

مولانا محمد موسیٰ خاں ندوی
استاذ دارالعلوم حیدرآباد

پیدائش وخاندانی حالات

فتح دروازہ کا شمار حیدرآباد دکن کے ان قدیم محلہ جات میں ہوتا ہے جہاں صرف آصف جاہی بادشاہوں کے انتہائی قریبی ''جنگ'' اور ''دولۃ'' کی سطح کے لوگ ہی آباد تھے، وہاں ان کی بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں، ایک ایک مکان پورے ایک محلہ کے برابر ہوتا تھا، وہیں ڈاکٹر میر ولی الدینؒ کی پیدائش ۱۹۰۳ء کو ہوئی، آپؒ خاندان، دین ودنیا، علم ودولت ہر اعتبار سے نوازے گئے تھے، آپؒ کے والد کا تعلق بادشاہ نظام الملک آصف جاہ دکن کے ان مندوبین وشرفاء اہل علم سے ہے جو شرافت وصلاحیت کی وجہ سے جاگیر ومنصب سے سرفراز ہوئے، شاعر اسلام مولانا الطاف حسین حالیؒ جیسے لوگ ان کی قابلیت کے معترف تھے (۱) دوسری طرف آپؒ کی والدہ بڑے نوابی خاندان کی تھیں جس کی وجہ سے دولت کی بڑی فراوانی تھی۔

نواب عظمت جنگ نے اپنی بہن کا نکاح جو نوعمری ہی میں بیوہ ہوچکی تھیں ڈاکٹر میر صاحبؒ کے والد میر قطب الدین صاحب سے کردیا، ان سے تین لڑکے تولد ہوئے، سب سے بڑے میر سیادت علی خاں تھے، وہ بڑے قابل، پڑھے لکھے آدمی تھے، ایم اے، ایل ایل بی کی تعلیم عثمانیہ یونیورسٹی سے حاصل کرنے کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی لندن سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی جبکہ وہ جامعہ نظامیہ سے مولوی فاضل بھی کئے ہوئے تھے، اسی طرح عثمانی دور حکومت میں مشیر قانون اور ہائی کورٹ کے جج رہ چکے ہیں، نیز مشہور محقق بیسیوں کتابوں کے مصنف، فرانس کی زبان میں سب سے پہلے قرآن کے مترجم ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ کے سینئر ساتھیوں میں تھے۔ (۲)

دوسرے بھائی میر مظفرالدین صاحب تھے جو اکیس سال کی بہت ہی کم عمری میں انتقال کر گئے، ڈاکٹر میر ولی الدین ان سب میں چھوٹے تھے، انھیں تین فرزندوں کی پیدائش کے بعد والد صاحبؒ کا انتقال ہو گیا، تو والدہ مع اپنے فرزندوں کے مکہ مکرمہ کوچ کر گئیں، جبکہ آپؒ چھوٹے سے بچے تھے، وہاں دو سال قیام رہا۔

پولیس ایکشن سے پہلے ہی ۱۹۴۷ء میں حج کی سعادت سے سرفراز ہوئے، جبکہ آپؒ کی عمر چوالیس کی تھی، چونکہ سمندری سفر آپؒ کو بہت محبوب تھا اس لئے سفر حج نیز اعلیٰ تعلیم کے لئے بھی ممبئی تا لندن پانی کے جہاز ہی سے کیا، ان کا کہنا تھا کہ سمندری سفر میں دو بڑے فائدے ہیں: ایک تو عجائبات قدرت کا قریب سے مشاہدہ ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ معاشرے کے آداب، رہن سہن کے طور و طریق سیکھنے کا یہ نادر موقعہ ہوتا ہے۔ (۳)

تعلیم

آپ کے مکان کے قریب ہی والے محلّہ عالی جاہ کوٹلہ میں مدرسہ مفید الانام (جو آج تک اسی نام سے چل رہا ہے) میں ابتدائی تعلیم ہوئی، اور کچھ گھر ہی پر، اس کے بعد ۱۹۲۲ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فارسی میں منشی فاضل کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے (۴)، اسی دوران شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال مرحوم سے ملاقات ہوئی (۵)، وہاں سے اپنے وطن حیدرآباد دکن واپس لوٹ گئے، ۱۹۲۴ء میں جامعہ عثمانیہ سے بی اے کیا، ۱۹۲۶ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے کیا (۶) تو عبدالرحمٰن خاں صاحب جو عثمانیہ کالج (یونیورسٹی بننے سے پہلے) کے پرنسپل تھے، کی کوششوں سے کالج کے پہلے بیاچ کو جس میں سرفہرست ڈاکٹر میر صاحبؒ تھے حکومت کی اسکالرشپ پر اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن روانہ کیا گیا (۷) لندن یونیورسٹی سے ۱۹۲۸ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری اور مڈل ٹمپل سے بیرسٹری کی سند حاصل کر کے اپنے وطن تشریف لائے۔ (۸)

اوصاف و عادات

چونکہ شروع سے منطق و فلسفہ سے تعلق رہا، اس لئے ان کی گفتگو عالمانہ ہوتی تھی، مگر اس کے باوجود شور و شغب، ریا و نمود، خودرائی و خودستائی سے ہمیشہ دور گوشۂ گمنامی میں رہ کر خاموش لیکن

ٹھوس کام کرتے رہے، وہ اگرچہ کسی مدرسہ کے باضابطہ فارغ تو نہ تھے مگر ان کی دینی معلومات و تحقیقات ایک بڑے عالم سے کچھ کم نہ تھیں۔(۹)

ڈاکٹر صاحبؒ ساری زندگی مغربی فلسفہ پڑھاتے رہے، مگر بقول زینت ساجدہ صاحبہ کے ''دل نیاز مند و نگاہ پاکباز رکھتے ہیں'' (۱۰) جس کے نتیجہ میں کبھی ان کے قدم راہِ حق سے بھٹکنے نہ پائے، ایسا کیوں نہ ہو؟ جبکہ آپؒ کے اساتذہ میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ و ڈاکٹر الیاس برنیؒ جیسے لوگ تھے، جو ایک طرف علم و تحقیق کی دنیا کا پہاڑ تھے، تو دوسری طرف متقی پرہیزگار اور زاہد شب زندہ دار تھے، آپ کے اساتذہ میں عبدالرحمٰن خاں صاحب بھی ہیں، جو عثمانیہ کالج کے پرنسپل تھے جن کا ذکر اس سے پہلے بھی آچکا ہے اسی طرح سر اکبر حیدری بھی آپ کے اساتذہ میں ہیں، جن کو نواب میر عثمان علی خاں نے اس بات کی ذمہ داری سونپی تھی کہ ہندوستان بھر کے چپہ چپہ سے منتخب قابل و ذی علم شخصیات اور پروفیسر حضرات کو اکٹھا کریں تاکہ عثمانیہ کالج کو یونیورسٹی بنایا جائے جس کو حیدری صاحب نے بحسن و خوبی انجام دیا، جس کے نتیجہ میں حیدر آباد بغداد علم بن گیا۔(۱۱)

ڈاکٹر صاحبؒ کی طبیعت میں بلا کی سادگی تھی، کوئی دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ بھی کوئی بڑے محقق آدمی ہیں، ایک دفعہ بڑا دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ کوئی صاحب آپؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرکے آپ سے متاثر ہو کر ملاقات کے لئے دہلی سے تشریف لائے، ڈاکٹر صاحبؒ جب ان سے ملنے کے لئے گھر سے باہر آئے تو انھوں نے خود ڈاکٹر صاحبؒ سے دریافت کیا کہ ڈاکٹر میر صاحبؒ ہیں؟ ڈاکٹر صاحبؒ نے بتلایا کہ ہاں میں ہی ہوں! کہئے آپ کو کیا کہنا ہے؟ اس طرح دہلی کے مہمان، ڈاکٹر صاحب کے لباس اور دبلے پتلے بدن کی سادگی کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔(۱۲)

شریعت اور دینی اعمال کے بڑے پابند تھے، ان کے عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ ان کے کسی عمل کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا جاسکتا تھا کہ ضرور یہ دینی عمل ہوگا، آپؒ کا یہ دائمی معمول تھا کہ سر پر ٹوپی، اور ٹوپی پر رومال لپیٹے ہوتے، کبھی برہنہ سر نہ رہتے، حتیٰ کہ سوتے وقت بھی سر ڈھکا ہوتا، تہجد کے وقت ہی بیدار ہو کر نماز اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے، اکثر گھر کے قریب ہی والی مسجد محمد شکور میں باجماعت نماز ادا کرتے، ہمیشہ پہلی صف میں امام کے بالکل پیچھے نماز پڑھتے، صبح، فجر کی نماز کے بعد تلاوت قرآن کا معمول تھا، نماز و تلاوت میں گھر والوں کو بھی ساتھ کر لیتے۔(۱۳)

خدمات اور کارنامے

لندن سے اعلیٰ تعلیم سے فراغت کے بعد ہی ۱۹۲۹ء میں عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ میں مددگار پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا، ۱۹۴۶ء میں اسی شعبہ کے باضابطہ پروفیسر اور صدر بنادیئے گئے، اسی دوران وہ جامعہ عثمانیہ سے متصل نہ صرف دکن بلکہ ملک کے نامور و منفرد تحقیقی ادارہ ''دائرۃ المعارف العثمانیہ'' کے ناظم بھی رہ چکے، ۱۹۵۸ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوگئے، اس وقت آپؒ کی عمر پچپن ۵۵ سال کی تھی، مگر تین سال تک ریسرچ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں (۱۴)، اس دوران خدا جانے بیسیوں شاگرد ہوئے، ان میں تین بڑے نامور گزرے ہیں ایک، جناب امجد علی خاں صاحب سابق آئی اے ایس، دوسرے جناب وی پرتاب ریڈی صاحب آئی اے ایس آفیسر ہوم سکریٹری بشیر باغ ۱۹۸۰ء، تیسرے جناب نواب شاہ عالم خاں صاحب (۱۰)، چیرمین انوار العلوم کالج ملے پلی، یہ اپنے استاذ محترم ڈاکٹر صاحبؒ کے بڑے معتقد ہیں، ڈاکٹر صاحبؒ ہی کے مشورہ و توجہ دہانی سے کالج کا آغاز کیا، جو آج بڑے آب و تاب کے ساتھ اپنا علمی سفر جاری رکھے ہوئے ہے، نہ صرف شہر حیدرآباد اور ہندو پاک بلکہ دنیا کے مختلف گوشوں میں یہاں کے تعلیم یافتہ و خوشہ چینوں کی بڑی تعداد ہے، جس کا کچھ اندازہ اس کے پچاس سالہ جشن سے محسوس کیا جاسکتا ہے جو بڑی دھوم سے سال گزشتہ احاطہ انوار العلوم میں منعقد ہوا۔

مدرسہ اعزہ پبلک اسکول ملک پیٹ جو شاہی خاندان اور ان کے مقربین خاص کے بچوں کی تعلیم کے لئے مختص تھا پہلے سر نظامت جنگ (جو آپؒ کے ساتھیوں میں تھے) اس کے صدر بنے، اس دوران انھیں کے مشورہ سے اپنے تینوں فرزندوں کو اسی اسکول میں داخل کیا اور پھر آپؒ کو اس کی کمیٹی کا ممبر بنایا گیا، بعد میں اس کے معتمد بنے، (۱۴) یہاں یہ تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ جناب سید محمود علی صاحب، سابق فینانس آفیسر جامعہ عثمانیہ، حالیہ اڈوانس اڈوائزر انوار العلوم کالج، ڈاکٹر میر صاحبؒ کی کتاب ''مراقبات'' کا انگریزی میں ترجمہ و تلخیص کیا ہے، زیادہ تر اس کے فارسی اشعار کو لیا ہے، ترجمہ بڑا اسلیس، زبان بڑی شستہ ہے، جس کی وجہ سے ترجمہ نہیں اصل مضمون معلوم ہوتا ہے، مگر حیرت کی بات ہیکہ اس کے مقدمہ میں مترجم نے مصنف کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ''مدرسہ اعزہ کے صدر مدرس تھے'' (۱۷) حالانکہ صحیح وہ ہے جو ہم نے ابھی ذکر کیا، کہ وہ

پہلے اس کے ممبر اور بعد میں معتمد بنے، یہ بات مترجم کو ادنی تامل سے بھی سمجھ میں آسکتی تھی کہ ایک طرف خود یہ لکھ رہے ہیں کہ ”ڈاکٹر صاحب پی ایچ ڈی، بیرسٹری کئے ہوئے تھے“ (۱۸) دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ ”وہ اعزہ اسکول کے صدر مدرس تھے“ دونوں میں کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا۔

بیعت وخلافت

ڈاکٹر میر صاحبؒ اردو وانگریزی کے ساتھ فارسی وعربی کے بھی بڑے ماہر تھے، اسی چیز نے دین فہمی میں بڑا اہم کردار ادا کیا، مگر اس میں رسوخ وپختگی، دوسروں کو متاثر کرنے کی صلاحیت تو ایک پیر طریقت، سلسلہ قادریہ کمالیہ کے مرشد کامل مربی حاذق حضرت مولانا سید محمد حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ سابق ناظم عدالت ونپرتی ضلع محبوب نگر صوبہ آندھرا پردیش کی خدمت میں پہونچ کر بیعت ہوئی (۱۹) ڈاکٹر صاحبؒ نے بہت کھل کر اپنی تقریباً ہر کتاب میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان تحریروں میں جو کچھ ہے وہ پیرومرشد حضرت مولانا سید محمد حسین صاحبؒ کا فیضان ہے۔(۲۰)

شیخ کامل سے اصلاحی تعلق کے بعد ڈاکٹر میر صاحبؒ کی زندگی کی کایا پلٹ گئی، ان میں نمایاں تبدیلی اور اصلاحی انقلاب بپا ہوا، پہلے وہ سوٹ، بوٹ اور پتلون پہنتے تھے، مرشد سے تعلق کے بعد چال، ڈھال، بول چال، شکل وصورت اور لباس دینی اختیار کرلیا، نیز ان کی تحریروں میں جان پڑگئی، شیخ سے تعلق کی سرگذشت کچھ اسطرح ہے کہ ڈاکٹر صاحبؒ تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ فلسفہ میں تدریس سے وابستہ ہوگئے، تو اس دوران آپؒ کے اساتذہ پروفیسر الیاس برنی صاحبؒ ومولانا مناظر احسن گیلانیؒ اپنے اس شاگرد کو شیخ سے ملاقات کے لئے لے گئے، پہلے تاکید کردی کہ وہاں بحث ومباحثہ مت کرنا جو کچھ وہ کہیں اسے چپ چاپ مان لینا، اس پر ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ بے جا بحث ومباحثہ تو نہیں ہوگا مگر کوئی بات قابل اعتراض ہو تو کچھ کہنا ہی پڑے گا، اس طرح ونپرتی پہونچ کر شیخ سے ملاقات ہوئی کچھ روز قیام بھی رہا، اس پہلی ہی ملاقات میں شیخ کی دینداری وروحانیت، سب سے بڑھ کر کتابوں میں لکھے گئے دینی اعمال و تعلیمات کے عملی مشاہدہ نے ڈاکٹر صاحبؒ کو شیخ سے بے حد متاثر کیا، وہاں سے ایک روحانی و عرفانی ذہن لے کر لوٹے (۲۱) اور پھر سات سال تک اپنے پیرومرشد سے مستقل تعلق رہا، یہاں تک کہ خلافت سے سرفراز ہوئے، چنانچہ محلہ عابڈز میں روزنامہ ”سیاست“ کے دفتر کے عقبی حصہ

والے قبرستان میں حضرت مولانا سید محمد حسین صاحبؒ کے مرقد پر کندہ کی ہوئی تختی پر حضرت کے اجلۂ خلفاء کی فہرست میں ڈاکٹر میر صاحبؒ کا نام بھی درج ہے، حضرت ناظم صاحبؒ کی وفات ربیع الاول کے مہینہ میں ۱۳۶۵ھ میں ہوئی، (۲۲) جبکہ ڈاکٹر میر صاحبؒ کی وفات یکم ڈسمبر ۱۹۷۵ء کو ہوئی۔ (۲۳)

اس تعلق کے دوران ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنے شیخ سے بھرپور استفادہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، موقعہ بموقعہ حاضر ہوتے رہے، اور اپنی اصلاح لیتے رہے، یہاں تک کہ اپنے شیخ کے افکار و تعلیمات کو پی گئے، چونکہ قلم کے بڑے دھنی تھے اس لئے ان کو اپنی تصنیفات کے پردے میں ظاہر کردیا، محترمہ زینت ساجدہ صاحبہ لکھتی ہیں ''قرآن و تصوف میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ کسی فلسفی کے دماغ کی پیداوار نہیں بلکہ ایک عارف کے رمز شناس دل کی واردات کی ترجمانی ہے۔'' (۲۴)

تصنیفات و تالیفات

ڈاکٹر میر صاحبؒ کو دور طالب علمی ہی سے لکھنے کا شوق تھا، آگے چل کر کہنہ مشق و ماہر قلم کار بن گئے، ملک کے مشہور و تحقیقی اور انتہائی باوقار ماہی و سہ ماہی مجلوں میں آپؒ کے مضامین شائع ہوتے، جن میں نامور و نمایاں ماہنامہ معارف ہے، اسی طرح ہندوستان کے اشاعتی اداروں میں ایک قدیم نام ''ندوۃ المصنّفین اردو بازار جامع مسجد دہلی'' کا ہے جس نے روز اول ہی سے انتہائی تحقیقی کتابوں اور مقالات کو شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے، یہ بات اہل علم و دانش کے حلقوں میں نوک زبان پر ہے کہ ندوۃ المصنّفین سے کسی کی کتاب کا چھپ جانا اس کی تحریر و تصنیف کے قابل اعتبار و تحقیقی ہونے پر بہت بڑی سند ہے، جبکہ ڈاکٹر صاحبؒ اس کے رفیق اعزازی بھی رہ چکے ہیں، ان کی بیشتر کتابیں وہیں سے شائع ہوئیں۔

(۱) قرآن و تصوف: ڈاکٹر صاحبؒ کی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے، جس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اس وقت ہمارے سامنے اس کا چوتھا ایڈیشن ہے، اڑتیس سال کی عمر میں یہ کتاب لکھی گئی، پہلا ایڈیشن ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا، ڈاکٹر صاحبؒ نے حقیقی تصوف کو پوری تحقیق و وضاحت اور منطقی ترتیب پر لکھا ہے، اس میں بشمول

مقدمہ سات جلی عناوین ہیں، مقدمہ میں لفظ تصوف وصوفی کی لغوی واصطلاحی اور تاریخی تحقیق پیش کی گئی ہے، اور مختلف مشہور صوفیاء کرام کے اقوال وتحریروں سے صوفی کی علامت وحال بیان کیا گیا ہے، تصوف کی حقیقت بتاتے ہوئے ارسطو، معتزلہ اور اشراقیت کا رد کیا گیا ہے، دوسرے باب میں عبادت واستعانت کی حقیقت اور اس کے طریقے بتلائے گئے ہیں، تیسرے باب میں قرب ومعیت کے عنوان سے لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ کی عارفانہ وفلسفیانہ انداز کی تحقیق اور تفصیل سے تشریح کی گئی ہے، اور قرب ومعیت کے مقامات، قربت، اقربیت، احاطت، علمی، ظاہری، باطنی اور حقیقی کو سمجھانے کے لئے جابجا قرآن پاک کی آیات شریفہ، علماء ربانیین و صوفیاء کرام کی تشریحات وتفسیرات اور اقوال کا سہارا لیا گیا ہے، چوتھا باب تنزلات ستہ کے نام سے قائم کیا گیا ہے جو دراصل اسی تیسرے باب کا تکملہ ہے، بقول ڈاکٹر صاحب ''اسی قرب ومعیت کو صوفیائے اسلام نے اپنی مغلق اصطلاحی زبان میں پیش کیا ہے، جس کو ''تنزلات ستہ'' کا نظریہ کہتے ہیں، اس پر بے شمار رسالے لکھے گئے ہیں، جن میں بہت ہی اجمال سے کام لیا گیا ہے، جس کے نتیجہ میں فتنوں کا دروازہ کھل گیا، اور سینکڑوں کا ایمان تباہ وتاراج ہو کر رہ گیا، (۲۵) اسی نظریہ کی مصنف نے اختصار کے ساتھ مگر بہت سنبھل کر توضیح کی ہے، بات کے اختتام پر فرماتے ہیں کہ ''ذات خلق وذات حق، عبد ورب، شئی اور وجود کی تمیز قائم کرنا ضروری ہے، جس نے تمیز قائم نہ کی وہ بدتمیز ہے، ملحد و زندیق ہے، عاقل نہیں غافل ہے'' (۲۶) پانچویں باب میں خیر وشر کے تحت سمجھایا گیا ہے کہ یہ خدا ہی کی طرف سے ہیں، وہی ان دونوں کا خالق بھی ہے، اس سلسلہ میں مغربی فلسفیوں کا رد کرتے ہوئے سلسلہ قادریہ کمالیہ کی مخصوص اصطلاح ''عالم، معلوم'' کے تحت مسئلہ خیر وشر کو حل کیا گیا، چوتھے باب میں صوفیاء کرام کے نزدیک ''جبر وقدر'' کی حقیقت بتلائی گئی ہے، اس بارے میں آیات قرآنیہ واحادیث شریفہ کا سہارا لے کر صوفیائے کرام کی اصطلاح ''حرکت ایک، نسبت دو'' کی روشنی میں مسئلہ جبر وقدر کی تفہیم کی گئی ہے، کہ فاعل حقیقی

تو اللہ ہی ہیں اس لئے خلق کی نسبت خدا کی طرف، البتہ سبب کے درجہ میں شر کی نسبت کسب کی صورت میں بندہ کی طرف ہوتی ہے، ساتویں باب میں یافت وشہود کے تحت کتاب کے اختتام پر فرماتے ہیں کہ ”پچھلے چھ ابواب میں جو کچھ تھا وہ علم قرب ومعیت کی توضیح تھی، اس کے بعد کا مرحلہ عمل کا آتا ہے اس کے لئے مجاہدہ ضروری ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ اسی علم کا استحضار ہو، اور اس استحضار کے واسطے شکر، دعاء، توکل وتفویض، صبر ورضا کا اہتمام چاہئے“، وہ مزید فرماتے ہیں کہ ”اگر مجاہدہ کی اساس ان چیزوں پر رکھی جائے تو کوئی تعجب نہیں کہ حق تعالیٰ یافت وشہود کی نعمت سے سرفراز فرمائیں“ (۲۷)

(۲) قرآن وتعمیر سیرت: قرآن اور سیرت سازی کے عنوان سے ڈاکٹر صاحبؒ کے مقالات کا مجموعہ ادارۂ اشاعت اسلامیات حیدرآباد سے شائع ہوا، اس میں ڈاکٹر صاحبؒ نے بعد میں اضافہ کیا جو ۳۵۱ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر گئے اس کو ندوۃ المصنّفین نے ۱۹۵۲ء میں شائع کیا، اس کے چار سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، ڈاکٹر صاحبؒ کے بقول اس میں ایک بڑی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ دینی اعمال وعبادات جوانی میں نہیں بلکہ پیرانہ سالی میں ”جو لذتیں ختم ہونے کے بعد لذتوں کا عذاب بھگتنے کے دن ہوتے ہیں“ میں اختیار کرنے کی چیز ہے، اس کے لئے قرآنی اصول کے مطابق انسانوں کی سیرت سازی ضروری ہے۔ (۲۸)

(۳) رموز عشق: جولائی ۱۹۶۶ء میں ندوۃ المصنفین سے شائع ہوئی، اس کو پہلے انگریزی میں پیش کیا گیا، بعد میں خود ڈاکٹر صاحب نے اس پر اردو کا جامہ پہنایا، عشق کی حقیقت و اسباب، عشق حقیقی پر شرعی دلائل، عشق وصوفیاء کرام، عشق مجازی، عشق کے مراتب جیسے جلی عناوین اور دو سو آٹھ ۲۰۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ہے۔

(۴) بیماری اور اس کا روحانی علاج: ۱۹۷۲ء میں ندوۃ المصنفین سے شائع ہوئی، اس میں اصول صحت کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، روحانی تعلیمات واحادیث

میں مروی دعاؤں اور بزرگان دین سے منقول مستند معمولات، اوراد و وظائف کی روشنی میں بتلایا گیا کہ کس طرح صحت حاصل کی جاسکتی ہے؟ ڈاکٹر صاحبؒ نے مقدمہ میں خود اس بات کی شرط لگائی ہے کہ اس کتاب سے استفادہ کرنے کے لئے خدا سے مضبوط تعلق و عبادات کا اہتمام ضروری ہے۔ (۲۹)

(۵) خواجہ بندہ نواز کا تصوف: ندوۃ المصنفین سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔

(۶) مدارج سلوک: اس میں بتلایا گیا ہے کہ ایک صوفی کا خدا سے کیسا تعلق ہوتا ہے؟ یہ کتاب ۱۹۶۵ء میں ادارۂ معارف قرآنیہ دارالعلوم دیوبند یوپی سے شائع ہوئی۔

(۷) قرآن و سیرت سازی: اس کا تذکرہ قرآن و تعمیر سیرت کے ضمن میں آچکا ہے، یہی کتاب لاہور سے ۱۹۴۶ء میں ''مرد مومن'' کے نام سے شائع ہوئی۔

(۸) رموز اقبال: پنجاب یونیورسٹی لاہور میں دوران تعلیم علامہ اقبال سے ملاقات اور ان کی شاعری سے متاثر ہوکر ان کے اشعار میں پائے جانے والے شریعت کے اسرار و رموز کی ان کے اشعار کی روشنی میں نشاندہی کی گئی ہے، یہ کتاب ۱۹۴۶ء میں ادارۂ اشاعت اسلامیات حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی۔

(۹) مراقبات: یہ کتاب ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس سے شائع ہوئی۔

(۱۰) ابطال مادیت: حیدرآباد سے ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔

(۱۱) قنوطیت یا فلسفہ یاس: حیدرآباد سے ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی۔

(۱۲) رسالۂ اخلاقیات: ۱۹۴۶ء میں حکومت آندھرا پردیش کے شعبہ تعلیم نے شائع کیا۔

(۱۳) فلسفہ کیا ہے: ۱۹۵۹ء میں ندوۃ المصنفین سے شائع ہوئی۔

(۱۴) اگر میں طبیب ہوتا: ہمدرد صحت دہلی سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔

(۱۵) علاج خوف و حزن: ۱۹۶۲ء میں کتابی دنیا دیوبند سے شائع ہوئی۔

دیگر زبانوں سے اردو میں تراجم

(۱۶) فلسفہ کی پہلی کتاب: Rapp Aports primen of Philosophy کا انگریزی ترجمہ، دارالمصنفین اعظم گڑھ سے ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔

(١٧) مقدمہ فلسفہ حاضرہ: ڈاکٹر رابن سن کی انگریزی کتاب Introduction to recent philosophy، ٹرانسلیشن بیورو عثمانیہ یونیورسٹی سے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی۔

(١٨) مقدمہ مابعد الطبیعیات: برگونس کی انگریزی کتاب Introduction to Metaphysics کا اردو ترجمہ مجلس طلبہ خادم عثمانیہ یونیورسٹی سے ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی۔

(١٩) تاریخ فلاسفۃ الاسلام: ڈاکٹر عفیفی کی اسی نام کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ، ٹرانسلیشن بیورو جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔

(٢٠) رہنمائے قرآن: ڈاکٹر سر نظامت جنگ کی انگریزی کتاب، Aproch to the study of Islam کا اردو ترجمہ ندوۃ المصنفین سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔

(٢١) تاریخ مسائل فلسفہ: جینٹ اور سیلیس کی انگریزی کتاب History of the problems of the philosophy کے پہلے حصہ کا ترجمہ، ٹرانسلیشن بیورو جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔

(٢٢) کتاب التذکرہ: ابوالکلام آزاد کی کتاب، اے میموریل وولیوم کے نام سے ہمایوں کبیر نے ایشیاء پبلشنگ ہوز سے تحقیق کر کے شائع کروائی، ڈاکٹر صاحبؒ نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا، جو ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدر آباد سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔

(٢٣) تحفۃ الفلاسفۃ: اسی نام کی امام غزالیؒ کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ، دی انسٹی ٹیوٹ آف انڈو میڈلسٹ کلچرل اسٹڈیز حیدر آباد سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔

(٢٤) مکارم الاخلاق: علامہ رضی الدین طبرسی کی عربی کتاب کا، اردو ترجمہ ہے، پہلی جلد ۱۹۷۵ء میں اور دوسری ۱۹۷۶ء میں ندوۃ المصنفین سے شائع ہوئی۔

(٢٥) مابعد الطبیعیات: کانٹس کی انگریزی کتاب Metayhysics of Ethics کا اردو ترجمہ، بیورو فاردی پروموشن آف اردو دہلی سے شائع ہوئی۔

(٢٦) بنیادی مسائل فلسفہ: اے سی ونگ کی انگریزی کتاب Fandamental question of philosophy کا اردو ترجمہ ہے۔

ڈاکٹر صاحبؒ کی انگریزی کتابیں

(۲۷) The Quranic Sufism ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔

(۲۸) Love of God اس کا پہلا ایڈیشن ہندوستان میں ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا، اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۲ء میں لندن سے، اسی طرح تیسرا ایڈیشن بھی لندن ہی سے شائع ہوا۔

(۲۹) Khawja Banda Nawaw and his Contribution of Sufism یہ بھی لندن ہی سے شائع ہوئی۔

(۳۰) The Problem of Sorrow and fear

(۳۱) Essential Aspects of Dr.Iqbal's philosophy of Religion اقبال اکیڈیمی لاہور سے شائع ہوئی۔

ماٰخذ و مراجع

(۱)۔ ۱۔ ۴۔ ۶۔ ۸۔ ۱۰۔ ۱۴۔ ۲۴ حیدرآباد کے ادیب، ج ۲ ص ۱۴۲، انتخاب نشر، مطبوعہ ساہتیہ اکیڈیمی حیدرآباد۔

(۲)۔ ۲۔ ۳۔ ۵۔ ۷۔ ۹۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۹۔ ۲۱۔ ۲۳ صاحب تذکرہ ڈاکٹر میر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بڑے فرزند محترم جناب میر وحید الدین صاحب سے انٹرویو کے ذریعہ یہ معلومات حاصل کی گئیں۔

(۳)۔ ۱۷۔ ۱۸۔ Introprospections، ڈاکٹر میر صاحبؒ کی کتاب مراقبات کا انگریزی ترجمہ جناب سید محمود علی صاحب انوار العلوم کالج، (۴)۔ ۲۲۔ رموز عشق ص ۴۔ ۶۔ ۲۵۔ قرآن و تصوف ص ۱۰۴، ۔(۷)۔ ۲۶۔ ایضاً ص ۱۳۳۔ (۸)۔ ۲۷۔ ص ۱۷۳۔ (۹) ۲۸۔ قرآن و تعمیر سیرت ص ۴۔ (۱۰)۔ ۲۹۔ بیماری اور اس کا روحانی علاج ص ۷۔ (۳۰)۔ کتابوں کے تذکرہ کیلئے ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر صاحب کی انگریزی کتاب The Essential Features of Islam کے شروع میں۔